U5448 7-12-09.

Title - KHUTBA-E-SADARAT; ALL INDIA MOHAMMADAN EDUCATIONAL CONFERENCE MANAQADA ALIGARH IJLAAS SAUM-O-CHAHRAM

Creator - FAZAL HUSSAIN

Publisher - Rifa Aam Steam Press (Lahore).

Date - 1922

Pages - 44

Subject - Khutbaat-O-Taqareer; All India Muslim Educational Conference Aligarh.

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ علی گڑھ

اجلاس سی و چہارم

خطبۂ صدارت

از

آنریبل خان بہادر میاں فضل حسین صاحب ایم-اے

بیرسٹرایٹ لا - وزیر تعلیمات صوبہ پنجاب

مترجمہ

حکیم احمد شجاع بی-اے (علیگ)

اسسٹنٹ سیکرٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل

دسمبر ۱۹۲۲ء

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں باہتمام بابو نورالحق شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم
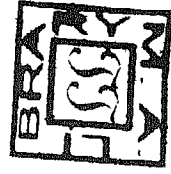
حضرات!

انتخاب صدارت ادائیگی فرض کا مطالبہ ہے

اگر رسوم و عوائد کی پابندی کی جائے۔ تو یہ ناگزیر ہے۔ کہ میں اس عزّت افزائی کے لئے آپ کا دلی شکریہ ادا کروں۔ جو آپ نے مجھے اس مہتم بالشان مجلس کا صدر منتخب کر کے مجھ پر ارزانی فرمائی ہے۔

ان سربرآوردہ اکابر قوم سے واقفیت رکھتے ہوئے جو سال بسال اس ممتاز حیثیت پر فائز ہوتے رہے ہیں۔ یہ کرسیٔ صدارت ہر شخص کے لئے باعثِ فخر و مباہات متصوّر ہو سکتی ہے۔

اس عزّت افزائی کے لئے مجھے اپنی ناقابلیت کا اس قدر اعتراف تھا۔ کہ اگر میں اس عطیّہ کو صرف اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتا۔ تو اس کو قبول کرنے کی جرأت کبھی نہ کرسکتا مگر میں نے محسوس کیا۔ کہ یہ مطالبہ حقیقت میں وہ مطالبہ ہے جو کسی پُرخطر زمانے میں ملک ایک سپاہی سے اس کے فرض کی ادائیگی کے متعلق کرتا ہے۔ اور جب میں نے اس پر اس زاویہ نگاہ سے نظر ڈالی تو میں انکار نہ کرسکا۔

پچھلے دو برس کے دوران میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوا۔ اور یہ دو سال شاید ان سے قبل کے بیس سالوں سے زیادہ وقیع اہمیت رکھتے ہیں۔ اس عرصے میں بہت سے ایسے مشکل مسائل پیدا ہوئے ہیں جو آپ کی توجہ کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہ کام مجھے اور بھی مشکل نظر آیا۔ اور میں اپنے آپ کو آپ کی رہنمائی کے مشکل فرض کی انجام دہی کے ناقابل تصور کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر میں نہ چاہتا تھا۔ کہ میں اپنی رائے کو ان لوگوں کی رائے پر فوقیت دوں۔ جن کو قوم کی طرف سے یہ عزت تفویض کی گئی ہے۔ کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے شرکائے کار میں سے کسی ایک کو اس ممتاز جگہ پر سرفراز کرنے کے لئے منتخب کریں۔ پس اس سپاہی کی طرح جو ادائیگی فرض کے مطالبہ کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ نہ کہ ایک رہنما ئے قوم کی مانند جو اپنے کام کی انجام دہی کی قابلیت محسوس کرتا ہے۔ میں نے اس خدمت کو قبول کر لیا۔

میں کوشش کروں گا۔ کہ میں تمام نقطہ ہائے نگاہ کو مدنظر رکھوں۔ اُن کو آپ کے غور و خوض کے لئے آپ کے سامنے پیش کروں اور ایک راہ مستقیم تلاش کرنے کے عزم صمیم میں حتے المقدور آپ کی اعانت کروں۔ تاہم یہ آپ کے تعاون ہی کی توقع ہے۔ جو مجھے امید دلاتی ہے کہ میں اس مشکل خدمت سے ایک تسلی بخش طریق پر عہدہ برآ ہو سکونگا۔

خطبۂ صدارت کی مشکلات

اس سے پیشتر کہ میں اس فرض کی انجام دہی کا کام شروع کروں۔آپ حضرات متوقع ہونگے۔کہ میں اپنا خطبۂ صدارت پڑھوں۔ہم سب جانتے ہیں۔کہ خطبۂ صدارت ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔مگر ہم شاذ و نادر ہی اس کی اہمیت کو اس کی تیاری سے پہلے محسوس کرتے ہیں۔اس کی مشکلات کا اندازہ کر چکنے کے بعد ہم ہمیشہ عہد کر لیا کرتے ہیں۔کہ آئندہ اپنے آپ کو اس مشکل کا سامنا کرنے سے بچائیں گے۔مگر انسانی فطرت اس قدر کمزور ہے۔ اور تقدیر ہم پر اس قدر مضبوط قابو رکھتی ہے۔کہ ہم زمانۂ گزشتہ کی تکلیفات کو بھول جاتے ہیں۔اور اپنے آپ کو پھر مشکلات میں مبتلا کر لیتے ہیں۔تاہم میرے سامنے یہ کام بے انتہا مشکلیں پیش کر رہا ہے۔مجھ سے پہلے میرے تینتیس نامور پیش رو مسلمانان ہند کے تعلیمی مسائل پر تینتیس خطبات صدارت پڑھ چکے ہیں۔اور چیدہ سے چیدہ الفاظ میں خوبصورت سے خوبصورت خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔میرے لئے ناممکن ہے۔کہ میں ان خیالات میں کسی قسم کی ایزاد کر سکوں۔یا اپنے اظہار میں ان کے انداز بیان سے بہتر خوبیاں دکھا سکوں میرے ایک دوست نے مجھے ایک نرالی تجویز سجھائی۔اور وہ یہ تھی۔کہ میں اپنے پیش رؤں کے شاندار خطبات صدارت میں سے چیدہ چیدہ اقتباسات جمع کرکے اپنا خطبۂ صدارت ترتیب دے لوں۔مگر یہ کام بے انتہا مشکل تھا۔کیونکہ

نہایت ہی منتخب تقاریر میں سے انتخاب کرنا نہایت ہی دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کا خطبۂ صدارت ایک ایسی پچی کاری کی مانند ہو جاتا۔ جس کا نظارہ محیر العقول ہوتا +

مسئلہ تعلیم مسلمانان اور ماضی کے شاندار خطبات صدارت

تاہم حضرات! اس وقت میرا ارادہ نہیں ہے۔ کہ میں اسلام کی شاندار ماضی کا ذکر شاندار الفاظ میں کروں۔ میرا ارادہ یہ بھی نہیں ہے۔ کہ میں آپ کے سامنے اسلام کے مشہور اور غیر فانی مصنفین فلاسفر اور علما کے مرقعے پیش کروں۔ نہ ہی میرا مقصد اس سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ زمانۂ قدیم کی ان عدیم المثال درسگاہوں کے کارنامے سناؤں۔ جن کی شہرت اپنے زمانہ میں بے ہمتا تھی۔ آپ نے بغداد اور قرطبہ کی داستانیں اس قدر کثرت سے سنی ہوں گی۔ کہ آپ ان درس گاہوں کے افسوس ناک خاتمہ سے بیزار ہو گئے ہونگے۔ اسلئے میں فرض کئے لیتا ہوں۔ کہ آپ کا ماضی ایک ایسا ماضی ہے جو اپنے زمانہ میں کوئی دوسری نظیر نہ رکھتا تھا +

موجودہ حالت پر تاویل

اسی سلسلہ میں ایک اور موضوع ایسا آتا ہے جو فشار مباحث سے فرسودہ ہو چکا ہے۔ اور جو آپ کے دور موجودہ کی ایک داستان رسوا ہے۔ یہ ایک ایسی مفلوک الحال اور مایوس قوم کی دل شکن تصویر ہے۔ جو ذاتی اعتماد کھو چکی ہو۔ اور جو اپنے ماضی ہی کے نام پر مراعات کی در بدر بھیک مانگتی ہو۔ اس تصویر کو نہایت شوخ

رنگ آمیزیوں سے کھینچا گیا ہے۔ اور غالباً اس قدر شوخ رنگ آمیزیوں سے، کہ وہ حقیقی حالت ظاہر کرنے سے عاری ہے۔ اگر آپ صرف اپنے ہمسایوں یا حکام کی امداد پر ہی اعتماد رکھتے تو آپ کوئی ترقی نہ کر سکتے۔ تاہم آپ کو خدا کی برکات سے نا امید نہ ہونا چاہیئے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اور میں یہ بھی کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ کہ آپ کو اس وقت تک مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ جب تک آپ کو آخر کار اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی توقع ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ اس دردناک تصویر کو آپ کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے اسی شوخ رنگ آمیزی سے پیش کروں۔ کچھ تو اس لئے کہ آپ اُسے کافی سے زیادہ عرصہ تک دیکھتے رہے ہیں لیکن زیادہ تر اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ اب ایسی تصویر حقیقت حال کو پیش نہیں کرتی۔

نظامِ عمل اس کے علاوہ ایک اور موضوع ہے۔ کہ ہم اپنے نظامِ ملی کو اس طرح سے ترتیب دیں۔ کہ وہ گاؤں کی مسجد سے شروع ہو کر ضلع کی انجمن اور صوبہ کی کانفرنس کے منازل طے کرتا ہوا آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں ختم ہو جائے۔ اس موضوع پر بھی بسا اوقات بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ خطباتِ صدارت، کام کرنے والی جماعت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

عالمِ اسلام کی بے چینی غرض کہ ان مشکلات

کے بعد جو میرے راستے میں حائل نہیں ۔ مجھے اس امر کا اعتراف کرنا ہے ۔ کہ صورت حالات اکثر وجوہ سے میرے موافق بھی ہے ۔ کیونکہ دنیا پُر آشوب دَور سے گزر چکی ہے ۔ علمی مطالح نظریے رحمی سے منزلزل کئے جا چکے ہیں ۔ جن کی از سرِ نو ترتیب میں ترقی یافتہ ممالک کے بہترین دماغ متوجہ و مصروف ہیں ÷

مسلمانان عالم کے دلوں پر نہایت ہی الم ناک اور وحشت خیز جذبات گزر چکے ہیں ۔ اجتماع بشری ماضی وحال سے غیر مطمئن ہو کر معاشرت و حکومت کے نظام کو از سرِ نو ترتیب دینے کے لئے راہیں تلاش کر رہا ہے ÷

تحریک عدم تعاون ÷

۱۹۱۹ء کی تینتیسویں کانفرنس کے انعقاد کی تاریخ سے ہندوستان میں بھی نئے نظریاتِ تعلیم تجویز کئے اور ترتیب دئے گئے ہیں ۔ تحریکِ عدمِ تعاون نے نہایت شد و مد سے تعلیم کے مقصدوں اور طریقوں کو مطعون کیا ہے ۔ اور تجویز اصلاحاتِ حکومت کو عملی جامہ پہنا دیا گیا ہے ÷

تعلیم بحیثیت امر منتقلہ ÷

محکمۂ تعلیم اب صوبہ واری امور منتقلہ سے متعلق ہے ۔ اور اقتدار صوبوں کے حکمرانوں کی ذات ، اور مرکزی حکومت ہند سے منتقل ہو کر مقامی مجلسِ واضعِ قوانین کے پاس پہنچ گیا ہے ۔ اور اس نقلِ اختیار نے نہایت مشکل اور نازک مسائل پیدا

کر دئے ہیں، جن کے لئے بہت ہی محتاط اور غائر مطالعہ
کی ضرورت ہے۔ آپ کا نظامِ ترکیبی یعنی آل انڈیا
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا نظام بھی نکتہ چینیوں سے
محفوظ نہ رہ سکا۔ اور یہ سوال اُٹھایا ہی گیا۔ کہ آیا ہم
ان قومی میلوں کے انعقاد کو جاری رکھیں۔ یا اب وقت
آگیا ہے کہ کام کرنے والوں کی ایسی مجلس منعقد کرنے
کا انتظام کیا جائے۔ جس کا تعلق عملی کار و بار سے ہو؟
یہ مشکل مگر دلچسپ اور اشتعال انگیز مسائل ہیں۔
اور اپنے حل و عقد کے لئے زیادہ قابلیت اور پختہ کاری
کے طالب ہیں۔ لیکن میری تسکین کا باعث یہ مقولہ ہے
کہ "جب خدا انسان پر ایک نیا بار ڈالتا ہے۔ تو خود
ہی اُس کا سہارا بن جاتا ہے" +
اس لئے ناگزیر ہو گیا۔ کہ ان دو یا تین اہم سنین
کے بعد صنم کدۂ تعلیم کے پرستاروں کی ایک مجلس منعقد
کی جائے، اور اس سے بڑھ کر اور کون سا اقتضائے
قدرت ہو سکتا تھا، کہ یہ تمام پرستار علی گڑھ کی طرف
کھینچ آئیں۔ جہاں سے اس تحریک کا آغاز ہوا تھا:۔

"تاثیر ہے کیا خاک میں اس نجد کی کہہ دے۔
تو مجھے تو بارے
ہر پھر کے جو آنکلے ہے یاں ناقۂ لیلےٰ۔
اے جذبِ محبت"

تعلیمی عدم تعاون اب میں تحریک عدم تعاون کی طرف، جس حد تک کہ اُس کا علاقہ مسئلۂ تعلیم سے ہے، رجوع ہوتا ہوں۔

تحریک عدم تعاون کا آغاز ۱۹۱۹ء میں ہُوا۔ مگر جہاں تک اس کا علاقہ مسئلۂ تعلیم سے ہے، اُس کا ظہور ایک سال کے بعد یعنی اگست ۱۹۲۰ء میں ہُوا۔

تعلیمی عدم تعاون کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی تنقیدی اور ترکیبی۔ جس حد تک تنقیدی عدم تعاون کا تعلق ہے۔ اس تحریک نے موجودہ نظام تعلیم پر حملہ کیا ہے، اور تعلیم کی بے رُوح یکسانیت، عدم تنوّع اور فطرتِ مجہول کی طرف اشارات کئے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ تعلیم انسانوں کو بھیڑوں کے گلّوں کی طرح ہنکاتی ہے۔ اور یہ نظام کوئی تشخص یا بداعت پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ تعلیم قومی نہیں بلکہ اجنبی ہے۔ اور اس کے ذریعے سے دماغوں کی پرداخت مشرقی انداز پر نہیں ہوتی بلکہ مغربی انداز پر ہوتی ہے۔ اور اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس تعلیم میں مشرقی مذہبیت کا رنگ مفقود اور مغربی دہریت کا عنصر غالب ہے۔ اور اس سے بھی متجاوز ہو کر کہا جاتا ہے کہ یہ تعلیم زیادہ تر نظری ہے۔ اور صرف غلامانہ ذہانت پیدا کر سکتی ہے۔ اس میں تحقیق کی رُوح نہیں پائی جاتی۔ یہ تمام اعتراضات تو اصول تعلیم پر وارد کئے گئے ہیں۔ اب رہا طریقۂ تعلیم، اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ امتحانات، اس نظام کی

سب سے بڑی نحوست ہیں - اور حکام اچھے اساتذہ پیدا کرنے اور تعلیم کو عام کرنے میں ناکام ہوئے ہیں - اگرچہ اس مسلک کے حق میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے - مگر یہ نظام ایک انسانی نظام تھا، اور اس میں ترقی کی گنجائش تھی - بعض نقائص تو اس مسلک کے رونما ہونے سے پہلے ہی پیشِ نظر تھے - مگر اس تنقید کا بہت سا حصہ اُن ممالک کے لئے دلیلِ راہ ہوسکتا ہے، جن کو حکومت خود اختیاری میسّر ہے - اور جہاں بیرونی اقتدار کو دخل حاصل نہیں - اُن نقایص میں بعض جو حامیانِ عدم تعاون نے نہایت شد و مد سے بیان کئے - ایسے نقائص بھی ہیں جو ایسے نصاب تعلیم میں متوارث ہوتے ہیں - درسِ نظامیہ میں بھی آخر کار یہی نقائص پیدا ہوگئے تھے - کیونکہ اس سے صرف ایک ہی طرز کے طالبعلم پیدا ہونے لگے - اور اُس نے اجتہادِ فکر اور بداعت ذہن کا مادہ سلب کرلیا ؛

مغربی درسگاہیں اس حملے سے مامون نہیں ہوسکتی ہیں - امتحانات تکلیف دہ سہی لیکن آج تک کوئی ملک اس تکلیف دہ طریقے سے آزاد نہیں ہوسکا - اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس نظام امتحانات میں جو ہندوستان میں مروّج ہے - کچھ ایسے نقایص بھی ہیں - جو اسی کے ساتھ مختص ہیں، مگر اُن میں سے بعض لامحالہ ایسے ہیں - جو ہندوستان کی خاص صورت حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ناگزیر ہیں - ہمارا نظام تعلیم ایک خاص حد تک غیر ملکی ہے - لیکن کیا ہمیں اُن مشکلات کا احساس نہیں ہے جن کا

سامنا ہمیں اس ضمن میں کرنا پڑے گا۔ ملک میں زبانوں کی اتنی کثرت ہے، اور ہر زبان کے مدعی اپنی اپنی زبان کے حق میں پُرزور دلائل پیش کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم ایک خاص حد تک غیر مذہبی ہے۔ مگر یہ اسلئے نہیں کہ یہ ہمارا اختیار کردہ ہے، بلکہ اس لئے کہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ کوئی فرقہ اس بات پر رضامند نہ ہوگا کہ وہ اپنا سرِ نیاز ایک ایسے خُدا کے سامنے جُھکائے جو اُس کا خدا نہیں ہے اور مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا بہت سے مختلف فیہ مباحث اور کثیر اخراجات کا متقاضی ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نظامِ تعلیم میں ایسے نقائص بھی ہیں جو ایک حد تک رفع ہو سکتے ہیں۔ یہ نظام بہت کچھ نظری ہے۔ بہت سے ماہرین تعلیم نے اس کو عملی بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن عوام الناس کی طرف سے اُن کی کوئی امداد نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ یہ کوششیں اس حد تک کامیاب نہیں ہُوئیں۔ جس کی یہ مستحق تھیں ؂

غلامانہ ذہانت غلامانہ ذہانت کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن ہم کو نکتہ چینی کے وقت بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ انگریزی تاریخ اور انگریزی ادب ایک غلامانہ ذہانت پیدا نہیں کرتے۔ اور اُن لوگوں میں جنہوں نے ہندوستانی مدارس میں مغربی تعلیم پائی ہے۔ غلامانہ ذہانت نشوونما نہیں پائی۔ بلکہ اس کے برعکس اُنہوں نے ضرورت سے زیادہ آزاد

خیالی کا اظہار کیا ہے۔ جہاں تک اس نظام تعلیم کا اس ناکامیابی سے علاقہ ہے، جو تعلیم کو عام کر دینے کے بارے میں نصیب ہوئی ہے۔ کوئی شخص اس کمی پر شک نہیں کر سکتا۔ مگر جنہوں نے اس باب میں عملی کام کیا ہے۔ جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ مشکلات سے معمور ہے۔ اور عام تبلیغی کام، تربیت دادہ اساتذہ کی کثرت، اور فراوانئ دولت کے بغیر، جہالت سے مقابلہ کرنا، ممکن نہیں ہے۔ اس لئے تحریک عدم تعاون نے تعلیمی معاملات میں جہاں تک کہ تنقید کا علاقہ ہے، لوگوں کی توجہ کو تعلیمی مسائل میں مرکوز کر دیا ہے۔ اور اس نظام کے نقائص پر بحث کر کے بہت کچھ مفید تنقیدی کام کیا ہے جس کا ہر اصلاح سے قبل واقع ہونا لازمی ہے۔ اور اسکے لئے ہر دلدادۂ تعلیم اور ہر ایسے شخص کو جو تعلیمی مفاد سے دلچسپی رکھتا ہے، اس بنیادی کام کا اعتراف کرنا چاہئے۔ اور اس کے لئے اُن حضرات کا جو حامیان عدم تعاون ہیں ممنون ہونا چاہئے ٭

نظام تعلیم کے مقاصد۔ اس لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کو عام اور لازمی بنا دیا جائے۔ جس سے ہر شخص کی اقتصادی اہمیت بڑھ جائے۔ تاکہ وہ زیادہ نتیجہ خیز کام کر سکے، اور وہ زیادہ صحت مند اور زیادہ فارغ البالانہ زندگی بسر کر سکے ٭

اس ابتدائی تعلیم کو ان معنوں میں قومی بنا دینا چاہئے،

کہ یہ طلبا کو مذہبیت کے سیدھے سادے اصول سکھا سکے۔
اور ساتھ ہی اس میں مذہبی عنصر بھی موجود ہو۔ تعلیم کے
مدارج ثانوی میں اس بات کو مدّ نظر رکھنا چاہیئے کہ صرف
ذہن ہی کی نشو و نما نہ ہو بلکہ طلباء میں اخلاقی جسارت بھی
پیدا ہو۔ عملی اعتبار سے ثانوی تعلیم کو موجودہ حالت کی
بہ نسبت زیادہ کارآمد ہونا چاہیئے۔ جب ہم کالجوں کے
درجوں پر پہنچ جائیں تو ہمیں بہر صورت دیکھنا چاہیئے کہ
ہماری تعلیم قومی ہے۔ تحقیق و تجسّس کی رُوح پیدا کرتی ہے
طلبا کے سامنے تعلیم کے صحیح مطمح نظر موجود ہیں؟ اور ہمارے
کالج مغرب کی غلامانہ پیروی تو نہیں کر رہے؟ بلکہ اس
قابل ہیں کہ ہندوستانی قومیت کی تنظیم کر سکیں۔ ہندوستانی
تہذیب کو ترقی دے سکیں۔ اور تعلیم کے بہترین اور اعلیٰ
ترین مقاصد کی بنیاد ڈال سکیں۔ اب جبکہ تعلیم ایک امرِ
منتقلہ ہے، تو آؤ ہم مردانہ وار تعلیمی مسائل کو اپنے ہاتھوں
میں لے لیں۔ یہ ایسے مسائل ہیں، جن کو کسی ملک اور کسی
قوم نے آج تک خاطر خواہ طریق سے طے نہیں کیا۔ یونان
نے اپنے دورِ ارتقاء میں اُن کے متعلق کوششیں کیں،
اور اُن کو شاندار کامیابی میسر ہوئی۔ لیکن، یقیناً، یہ مسئلہ
اب بھی بہت سی ترقیوں کا محتاج ہے۔ ہند قدیم کی تہذیب
نے بھی اس مشکل کو حل کرنے کی ضرور کوشش کی ہوگی لیکن
ہمیں معلوم ہے، کہ اس کی مشکل عقدہ کشائی آجتک نہیں ہوئی۔

موجودہ زمانہ میں انگلستان، امریکہ اور جرمنی نے اپنی انتہائی کوششیں اس بارے میں صرف کی ہیں، مگر وہ لوگ جو ان ممالک کے تعلیمی مسائل اور اُن کی کوششوں کو بنظرِ غائر دیکھ سکتے ہیں جانتے ہیں کہ وہ آج بھی کسی اطمینان بخش کشودِ کار سے دُور ہیں۔ یہ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم زمانۂ ماضی کی کوششوں اور کامیابیوں کا اعتراف کریں، مگر یہ حامیانِ تعاون حضرات کا حق ہے کہ ہم اقرار کریں کہ ابھی ان مسائل کے متعلق بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اور تسلّی بخش ترقی کرنے کے لئے بہت کچھ اہم کوششوں کی ضرورت ہے +

تحریک عدم تعاون اور تنظیمی کام۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ تحریک عدم تعاون نے، تعلیمی معاملات میں تنظیمی کام کہاں تک کیا ہے اور اس سے کیا نتائج رُو نما ہوئے ہیں۔ یہ کام دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول تو انہدامی کام جس کا مقصد موجودہ درسگاہوں کو برباد کرنا اور کالجوں اور اسکولوں کو طلباء سے خالی کرانا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس اعتبار سے کوئی وقیع کامیابی حاصل کی گئی ہے۔ اور جو تھوڑی بہت کامیابی حاصل بھی ہوئی ہے وہ اُس قبولیت پر منحصر ہے جو مسلمانوں کی طرف سے ظاہر کی گئی +

تنظیمی کام کا دُوسرا حصہ وہ ہے جو تعمیر نظام سے متعلق ہے یعنی وہ کام جس کا مدعا ایسی درسگاہوں کا قیام تھا، جن میں وُہ طلباء تعلیم پا سکیں، جن کو موجودہ اسکولوں اور کالجوں سے

علیحدگی کی دعوت دی گئی تھی ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعمیری کام صرف موجودہ نظام پر
ایک تخریبی تنقید ہی کر سکا ہے، اور جب دعووں اور نظریوں
سے علیحدہ ہو کر عمل کی نوبت آتی ہے تو نتیجہ معلوم !

قومی نظام تعلیم کے متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے مگر جمہور کے
سامنے کوئی سنجیدہ و مرتبہ نصاب تعلیم پیش نہیں کیا گیا ۔ طریقۂ
امتحانات پر بھی بہت کچھ تنقید ہوئی ہے، لیکن، پنجاب میں
جامعۂ قومی کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی کے طریق امتحان
کی غلامانہ تقلید سے زیادہ نہ تھے ۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ
یہ تمام تحریک، ماہرین تعلیم کی توجہ کو نظام تعلیم کی اصلاح کی
طرف مائل کرنے کے اعتبار سے بہت مفید ثابت ہوئی ہے ۔ مگر
اس نے خود نہ تو کوئی ایسا نصاب تعلیم پیش کیا ہے ۔ جسے
ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم سے زیادہ قومی کہا جا
سکے، اور نہ ہی اس نے کوئی معیاری اسکول، کالج یا یونیورسٹی
بنا کر اپنے دعاوی کا عملی ثبوت دیا ہے ۔ اس بات کا اعتراف
ضروری ہے کہ یہ تحریک اس ناکامیابی کی وجہ سے مطعون نہیں
کی جا سکتی، اسکول کالج اور یونیورسٹیاں ایک سال، یا چند
سالوں میں ترتیب نہیں دی جا سکتیں، اگرچہ حامیان عدم تعاون
کے نقطۂ خیال سے مکمل سوراج کا چند مہینوں ہی میں حاصل
کر لینا، بالکل ممکن ہو ۔ اس لئے اس تحریک کی ناکامیابی، وقت
اور روپے کی کمی پر محمول کی جا سکتی ہے ۔

اس بات کا اعتراف بھی لازمی ہے کہ دورانِ جنگ میں تعلیمی نظام کو ترتیب دینے کا امن طلب کام مشکل سے ہی سرانجام دیا جا سکتا ہے؛

جیسا کہ میں نے اُوپر بیان کیا ہے تحریک عدم تعاون نے دُوسری اقوام کی درسگاہوں کی بہ نسبت مسلمانوں کی درسگاہوں کو زیادہ نقصان پہنچایا۔ ایک تجربی تحریک کی حیثیت سے اب اس تحریک کا زور اختتام کو پہنچ چکا ہے، اور اس جزو تحریک کے نتیجہ پر بہت سی نوجوان زندگیوں کی بربادی شاہد ہے۔ اگرچہ اکثر صورتوں میں یہ بربادی قابل تلافی ہے؛

اگر ہمارے دوست تارکینِ موالات، ایمانداری سے تنظیمی کام کریں، نئے تعلیمی مطامح نظر ترتیب دیں اُن کو عملی جامہ پہنائیں اور ان تعلیمی اصلاحات کو، کامیاب درسگاہوں کی صورت میں پیش کریں، تو ہر شخص ان مساعی جمیلہ کا خیر مقدم کرے گا۔ کیونکہ دُوسرے محکموں کی بہ نسبت، تعلیمات میں ان اختراعات کی گنجائش ہے؛

تحریک علی گڈھ و مسلم یونیورسٹی

یہ تحریک اتفاقاً، علی گڈھ یونیورسٹی کے قیام کی معاصر ہے۔ علیگڈھ کی تحریک ایک شاندار ماضی پر فخر کر سکتی ہے۔ اس تحریک کے بانی سرسید احمد خاں، اسلامی ہندوستان کے اس نامور بزرگ کا نام، ایک قومی بہی خواہ کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ جس نے اُس جہل ظلمت اور مایوسی کے زمانہ میں، جو عالم اسلامی

پر چھائی ہوئی تھی۔ تعلیم کی شمع جلا کر اس جہالت اور مایوسی کی ظلمت کو کافور کر دیا۔ لاکھوں مسلمانانِ ہند اس دُعا میں شریک ہیں کہ خُدا اُنہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

علی گڈھ کی تحریک کا ماضی جس قدر وقیع اور شاندار رہے اُسی قدر ذمہ داری کا بار اُن لوگوں کے شانوں پر ہے، جنکے سپرد اب یونیورسٹی چلانے کا کام ہے۔ اس نئے اور عظیم الشان کام کو کامیاب بنانے کے لئے تمام قوم کی متفقہ کوشش کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے بہت سے روپے کی ضرورت ہے اس کے لئے بہت سے بے غرض کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے کارکنوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اور ان کارکنوں پر جب آپ انہیں منتخب کرلیں۔ بڑے اعتماد کی ضرورت ہے۔ اس کا نظام ترکیبی۔ ایمانداری سے کام کرنے والوں کے لئے ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے، جن سے وہ مسلمانوں کی نجات کے اسباب مہیا کرسکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کامیابی کے راستہ میں بہت سی مشکلات ہیں، مگر میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہُوں کہ وُہ ایسی نہیں ہیں جن پر قابُو نہ پایا جاسکے۔

یہ اس یونیورسٹی کا کام ہوگا کہ وہ دکھا دے کہ اسلامی تاریخ اور اسلامی مذہبیات کے معاملہ میں وہ کیا کچھ کرسکتی ہے۔ یہ اس یونیورسٹی پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح ہندوستانی تاریخ کے اسلامی دَور کی طرف اپنی توجہات مبذول کرے،

ہندوستانی قومیت کی خدمت انجام دے سکتی ہے۔ ہندوستانی قومیت کے دشمنوں نے ہر غیر ملکی قوم کی نفرت پر خواہ وہ عرب ہو یا افغان، مغل ہو یا برطانوی ایک محدود قومیت کی بنیاد رکھی ہے ۔

اس نا عاقبت اندیشانہ تدبیر سے زیادہ ہندوستانی قومیت کے مفاد کے حق میں کوئی چیز مضر نہیں ہو سکتی۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ قومیت کے اس غلط اور محدود مفہوم کے رد عمل کی کوشش کریں۔ اور ایک ایسی قومیت کی بنا ڈالیں جو اس قدر وسیع البنیاد ہو کہ اُن تمام قوموں کو اپنے آغوشِ محبت میں جگہ دے سکے، جو مادرِ ہند کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں ۔

تجویز اصلاحات اور متعلقہ مسائل۔ میں نے ذکر کیا تھا کہ تجویز اصلاحات نے نئے مسائل کو پیش نظر کر دیا ہے۔ تمام ہندوستان میں مقامی حکومتیں ابتدائی تعلیم کے مسائل کو طے کرنے کی پُر زور کوششیں کر رہی ہیں۔ ہم سب اس امر میں متفق ہیں کہ اس تعلیم کو مذہبی عنصر سے معرا نہ ہونا چاہئے، ہم اس بارے میں بھی متحد الخیال ہیں کہ یہ تعلیم، طلباء کو گھروں میں نہیں دی جا سکتی۔ اب اس امر پر غور کرنا آپ کے ذمہ ہے کہ ابتدائی مدارس میں جو مقامی جماعتوں کی زیر نگرانی ہیں۔ مذہبی تعلیم کس طرح دی جائے؟ اور اس امر کی ذمہ داری بھی آپ پر عاید ہوتی ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ آیا آپ تیار رہیں کہ

ایسی ابتدائی تعلیم مقامی جماعتوں کی امداد سے خانگی طور پر دیں' یا آپ مقامی جماعتوں کی امداد کے لیئے، صرف تبلیغی کاموں پر قانع ہوجائیں

امدادی عطایا

اب اُن عطیات کا تکلیف دہ سوال آتا ہے جو حکومت کی طرف سے اُن جماعتوں کو دئے جاتے ہیں۔ عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے کہ نظام تمدّن کا میلان اس طرف ہے، کہ دولتمند زیادہ دولتمند ہو جائیں' اور مفلس مفلس تر ہو جائیں ۔ اور اس امر کو بوضاحت بیان کیا گیا ہے کہ وہ تنظیم عطیات جو مختلف صوبوں میں جاری ہے اس نتیجہ کے بارور ہونے میں امداد دیتی ہے ۔ اگر جنگ عظیم نے کوئی سبق سکھایا ہے تو وہ یہ ہے کہ اُس نے تلخ تجربہ سے ثابت کر دیا ہے کہ ایک حکومت کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ مفلسوں کو زیادہ مفلس اور جاہلوں کو زیادہ جاہل ہو جانے سے بچائے ۔ دُنیاوی حکومت کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ مذہبی زاویۂ نگاہ سے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ مفلسوں کو زیادہ مفلس اور جاہلوں کو زیادہ جاہل بننے سے بچائے ۔ اور اُن حضرات کی طرف سے جنہوں نے جمہوری اصول کی پاسبانی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے' یہ امر واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ سرکاری عطیات کی اس طور پر تنظیم کی جائے جس سے وہ خلیج جو مختلف مدارج اجتماعی کو علیحدہ کرتی ہے' کم ہوتی جائے ۔ تاہم یہ مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مشکلات سے معمور ہے اور آپ کی محتاط توجہ کا محتاج ہے ⁘

دُوسرے مسائل

اب رہا کار آمد عملی تعلیم اور کلیات کے نظام ترکیبی کا سوال، یہ حقیقتاً ایسے مسائل ہیں' جنکے متعلق

آپ کو اپنے خیالات کو ترتیب دینا چاہیئے۔

بڑی عمر کے اَن پڑھ لوگوں کی تعلیم

اب میں ایک ایسے مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو عرصہ سے میرے زیر غور ہے۔ اس کا تعلق بڑی عمر کے اَن پڑھ لوگوں کی تعلیم سے ہے۔ اب تک ہم نے اس ابتدائی تعلیم کے مسئلہ پر غور کیا ہے جس کا تعلق اُن بچّوں سے ہے جن کی عمر پانچ اور گیارہ سال کے درمیان ہو۔ اور ثانوی تعلیم پر جس کا علاقہ اُن طلباء سے ہے جن کی عمر دس اور سولہ سال کے درمیان ہو، مگر وہ آبادی کا قلیل حصہ ہے۔ اور کالجوں کی تعلیم پر جس کے حصول کے دوران میں طلباء قریب قریب اپنی عمر کے اکیس یا بائیس سال تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو جبری ابتدائی تعلیم کی شرائط کے لحاظ سے زیادہ معمّر ہیں اور اس قدر غریب ہیں کہ وہ ثانوی یا اعلےٰ تعلیم کے افادات سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ جن کی عمر پندرہ اور ساٹھ سال کے درمیان ہے۔ کیا ہم اُن کو اپنی غفلت کا شکار ہو جانے دیں؟ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو مذہبی تعلیم کی الف بے سے بھی واقف نہیں۔ کیا حکومت اُن کے متعلق کوئی فرائض نہیں رکھتی؟ کیا آپ کا بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ فرض نہیں ہے کہ اُن کی تاریک اور بیکار زندگیوں پر علم کی روشنی ڈالیں؟ یہ ہے بڑی عمر کے اَن پڑھ لوگوں کی تعلیم کا مسئلہ۔ اس میں

کوئی شک نہیں کہ آپ مدارس شبانہ سے واقف ہیں، جو ان جماعتوں کو نوشت و خواند سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں، کہ یہ کبھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کے بہت سے مدارس قائم کئے جائیں مگر ان لوگوں کے لئے علمی معلومات بہم پہنچانے کا کام شام کے وقت یا ایسے اوقات میں جبکہ وہ مصروف نہ ہوں، نہایت ہی نتیجہ خیز ہے۔ اگر آپ کی قومی درسگاہ اس کام کو اپنے ذمہ لے لے اور اُس کو ایسا تعلیمی کام سمجھ لے جس کا مقصد مذہبی اور معمولی تعلیم دینا ہو تو میں سمجھوں گا، کہ یہ ایسا مفید خلایق کام انجام دیا جارہا ہے جو اس درسگاہ کے لئے باعث نازش ہوسکتا ہے۔ یہی ہے وہ طریقہ جس سے آپ عامۂ خلائق تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ صرف اُن تک پہنچ سکتے ہیں، بلکہ اُن کو خوش و خورم بنانے میں مدد دے سکتے ہیں ؛

وقت اجازت نہیں دیتا کہ میں اس تجویز کی تفصیلات کو معرض بحث میں لاؤں، مگر مجھے اعتماد ہے کہ مسلمانان ہندوستان اس نہایت ہی مفید کام میں کسی دُوسری قوم سے پیچھے نہ رہینگے ؛

صوبہ داری درسگاہوں کے باوجود ایک مرکزی درسگاہ کی ضرورت۔

اب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہوگا کہ یہ تعلیمی کام زیادہ تر، صوبوں میں، اور مقامی مجالس وضع قوانین کے ماتحت ہی انجام پاسکتا ہے اور اسلئے صوبہ داری

تنظیم کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تمام ہندوستان کی ایک مرکزی درسگاہ کی ضرورت مفقود ہو گئی ہے، مجھے یقین ہے کہ اب اس کی ضرورت پہلے سے بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کی اس لئے ضرورت ہے کہ یہ مختلف صوبوں کے کام کرنے والوں کو یکجا جمع کرنے کے مواقع بہم پہنچائے تاکہ وہ اپنے اپنے مسائل پر بحث کرسکیں اور اُن اصول کو محکم کرسکیں جنکا حلقۂ اثر وسیع اور عام ہو۔ اور اپنے اپنے حلقوں میں اس مجلس شورے میں نہایت سنجیدہ مباحث کے بعد اپنے کام کی انجام دہی کے واسطے زیادہ تیار ہو کر جاسکیں +

اس دورِ ہیجان میں ہماری موجودہ حیثیت اور آئندہ تدبیر۔

حضرات!

ہمیں آج یہ موقع نصیب ہے کہ ہم ایک ایسے دورِ کشاکش میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جس میں تحریکوں کی کامیابی اور ناکامیابی روز بروز مختلف ہیئتوں میں تبدیل ہو رہی ہے جس میں منتہائے نظر کے حصول کے لئے تازہ اور پُر زور کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہ امر لابدی ہے کہ ہم دیکھیں کہ ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ اور اُسکے حصول کے لئے ہمارے پاس کیا وسائل موجود ہیں؟ اور یہ امر ناگزیر ہے کہ ہم اپنے ماضی کی کوششوں کا معائنہ کریں تاکہ ہم اس قابل ہو جائیں کہ اپنی آئندہ کوششوں

کو اُن کے مطابق کر سکیں ۔ اس کے لئے یہ ضروری
نہیں کہ ہم اُس وقت سے ماسبق حالات پر نظر
ڈالیں، جبکہ دُنیوی اختیارات مسلمان حکمرانوں کے
بے طاقت ہاتھوں سے جاتے رہے۔ مسلمان حکمران
یا تو تدابیرِ سلطنت میں مصروف تھے یا ہندوستانی
ادب اور صنائعِ لطیف کے مطالعہ میں مشغول ۔ وہ
اپنے بعد جواہر تعمیر ہی کو بحیثیت ایک غیر فانی
یادگار کے چھوڑ جانے پر تُلے ہُوئے تھے ۔ وُہ
معاشر اسلام سے بے اعتناء رہے ۔ جس کا نتیجہ یہ
ہُوا کہ مسلمانانِ ہندوستان ایک غیر منتظم، علم سے
بے بہرہ اور اپنی نگہداشت کے ناقابل جماعت
ہو گئی ۔ غدر کا زمانہ آیا اور گزر گیا۔ مسلمانانِ
ہند نے بے حساب سختیاں سہیں، اور اپنے
آپ کو ایک ناقابلِ عبور دلدل میں پایا ۔ اور
رفتہ رفتہ وہ مجبور ہو گئے۔ کہ سرکاری امداد پر
اعتماد رکھیں ؞

اتحادِ مقصد اور مساعیٔ ترقی۔

اُنیسویں اور بیسویں صدی کے طلباء اس شوق و
ذوق سے بے چین رہے ہیں کہ اُس بے حسی
کو دُور کرنے کی کوشش کریں جس سے اُن کی
قوم متاثر ہو چکی ہے اور اُس کو کامیابی اور

عظمت کی شاہ راہ پر لگا دیں۔ جیسے کہ توقع کی جا سکتی تھی، ہم میں سے بعض ایک راستے پر چلے، درآنحالیکہ دوسروں نے دوسرے راستے اختیار کئے۔ تاہم ہمارا مقصود ایک ہی تھا۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہم منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے مختلف راستوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم میں بعض نے غلط راستہ اختیار کر لیا ہو، اور وہ راستے کی مشکلات کو محسوس کر رہے ہوں۔ اور بعض نے شاہ راہ کی نظر فریبیوں سے مسحور ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچنے کا یقین کر لیا ہو، حالانکہ وہ شاہ راہ اُن کو منزلِ مقصود سے ہٹا کر کہیں اور لے جا رہی ہے۔ تاہم میں دعوے کرتا ہوں کہ اگرچہ ہم میں سے بعض سے فیصلہ کی یہ غلطی سرزد ہوئی ہو، لیکن ہمارا منتہائے نظر ایک ہی رہا ہے۔ اور میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی قومی طاقت کو متحد کر سکیں۔ اور اُن راہوں پر نہ چلیں جو شاہ راہ عظمت سے دُور ہیں۔ صورتِ حالات جیسی کچھ ہے ہم میں قومی طاقت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اور ہم اس طاقت کو ضائع

نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر ہم اس قدر خوش قسمت
ہو جائیں کہ ہم اپنی کوششوں کی مختلف لہروں
کو ایک ہی دھارے میں بہا دیں تو ممکن
ہے کہ یہ متحدہ بہاؤ تمام مشکلات کو سطح
سے ہٹا دے۔ اور ہم کو اس قابل کر دے۔
کہ ہم نہ صرف اس ملک میں وہ حیثیت حاصل
کر لیں، جس کے ہم مستحق ہیں۔ بلکہ ہمیں
اس کی ترقیوں میں برابر حصہ لینے کا سزاوار
کر دے۔ اس لئے اُس بیان سے جو میں
نے ابھی کیا ہے، واضح ہو گیا ہو گا کہ پچھلے
بیس سال میں یہ اسلامی تحریک اپنے اصلی
معنوں میں اس لحاظ سے نازک صورتِ حالات
رکھتی تھیں کہ ہمدردی کے لئے در بدر بھٹکنے،
مراعات کی بھیک مانگنے، سلوک میں خصوصیت
کی التجا کرنے" کی تدابیر نے اس تحریک کو
بہت ہی بے حقیقت فائدہ پہنچایا ہے۔ بلکہ یہ
کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس کو قومی اعتبار سے
نقصان پہنچایا ہے۔ اور اُس کے جواب میں حکام
کی طرف سے سوائے ظاہر دارانہ ہمدردی کے
کچھ نہیں ملا۔ اور اس لئے ضروری ہے کہ ہم
اس تدبیر کی تبدیلی پر غور کریں ؛

ہمسایہ قوموں سے تعاون کی تدبیر

پچھلے دس سالوں کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا۔جس میں ہم نے ہمسایہ قوموں سے تعاون کی کوشش کی ہے۔جنگ عظیم اور وہ حصّہ جو ترکی سلطنت نے اُس میں لیا' اور ہندوستان کی سیاسی ترقی کے مسائل' ان سب نے ہندوستان کے باشندوں میں باہمی رضا جوئی کا مادہ پیدا کرنے میں مدد دی ہے ؞

وہ اصول جن پر قومی وطن پرست اصلاحات کے متمنی رہے ہیں

ہندوستان کے عظیم القدر وطن پرستوں نے اپنے آپ کو اس کام کی طرف مائل کیا۔اس کام کی طرف جو ایک بڑے ملک اور بڑی قومیت کی توجہ کے قابل تھا۔اور ان موضوعات کو اصول کار بنایا۔کہ ہمیں ایک قومیت کی بنیاد ڈالنی چاہیئے۔اور مختلف قوموں کو ایک قومی یگانگت میں جذب کر دینا چاہیئے۔۔اس بات کا اعتراف کیا گیا۔کہ ان قوموں میں اکثر اختلافات ہیں۔جن میں مذہبی عقائد اور معاشری رسوم کا ایک کافی حصّہ ہے۔اور اُن کو یکجا کرنے کا صرف یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔کہ اُن کے سامنے ایک ایسا دستور العمل رکھ دیا جائے۔جس سے ہر قوم اس آزادی کے جہاد میں پہلو بہ پہلو رہ سکے۔۔اس بات کو مکمل طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ جب تک ہم ایک ایسا نظام اخلاق ترتیب نہ دے لیں۔جو قوم کے کسی جزو کی بحیثیت ایک کل کے جزو ہونے کے نگہداشت نہ کرے۔آزادی کی تلاش میں کوئی عملی اور استوار قدم نہیں

اُٹھایا جا سکتا ۔

انفرادی حقوق کو ہیئت اجتماعی کے ماتحت ہونا چاہیئے ۔

انفرادی اقتدار جو انسان کا فطری حق ہے اُس کو واپس دلانا چاہیئے۔ پچھلے چند سال میں یہی خیال ہر تحریک کا روح رواں رہا ہے۔ جسے اگر روح زمانہ (Spirit of the age.) کہا جائے۔ تو غیر موزوں نہ ہوگا۔ زمانہ ماقبل جنگ میں یہی خیال دنیا میں ساری رہا ہے۔ اور جنگ نے اسی خیال کو زیادہ نمایاں کر دیا ۔

حضرات !

میرا دعوٰے ہے کہ یہ روح زمانہ جو بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ حقیقت میں اُس شخصی اقتدار کا رد عمل تھی۔ جو اُنیسویں صدی کے آخری حصہ میں دنیا پر محیط ہو چکا تھا۔ میرا یہ بھی دعوے ہے کہ یہ روح زمانہ اشتراکیت یا بالشوزم اور سرمایہ داری یا مغرب اور نئی دنیا کی موجودہ تہذیب ہیئت اجتماعی کے بین بین تھی ۔ اسلام کا مقصد ایک باسطوت جمہوریت کا قیام ہے جو انفرادی حقوق کو ایک مقدس امانت سمجھتی ہو۔ لیکن اُنہیں ہیئت اجتماعی کے ماتحت رکھتی ہے۔ تعلیم یافتہ ہندوستان نے اپنے ہمسایہ ملکوں کے اشتراکی رجحانات کو نگاہ رغبت سے دیکھا۔ مگر ہندوستان بحیثیت مجموعی سرمایہ داری، پرانی قدامت پسند جمعیت اور مغرب کی موجودہ تہذیب کو اس قدر محبوب رکھتا تھا۔ کہ اُس پر اُن کا بہت کچھ

اثر نہ ہُوا - تاہم اس تحریک نے ہندوستان کے سیاسی مطامح نظر کو ایک خاص جمہوری رنگ میں رنگ دیا - مگر اس سے زیادہ کچھ اور نہ کیا +

سوراج میں تمام قوموں کی شرکت +

کوئی ملک معراج ترقی پر نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ تمام قومیں جو اُس ملک کے اجزائے ترکیبی ہیں ایک ہی سطح مرتقیہ پر نہوں - اور کوئی قوم اپنی مادر وطن کے نظم و نسق اور ارتقا میں حصہ لینے کی مستحق نہیں ہوسکتی - جب تک وہ اُس کے لئے جد و جہد نہ کرے - جب تک تعلیم یافتہ نہ ہو - جب تک اُس کے سامنے تعلیم کے صحیح مطامح نظر نہ ہوں - حقیقت میں کوئی قوم خواہ اُس کو تمام حقوق و مراعات دے دئے جائیں خواہ ملک کے نظم و نسق میں اُسے خاطر خواہ حصہ بھی حاصل ہو جائے - ملک کے مفاد یا اپنی بہتری کے لئے اپنے اختیارات استعمال نہیں کرسکتی - جب تک اُس کے سامنے صحیح مطامح نظر، صحیح اصول، اور صحیح وسائل کار نہ ہوں ؂

"گرفتم آنکہ بہشتم دہند بے طاعت - قبول کردن و رفتن نہ شرط انصاف است"

غرض کہ ہندوستانی قومیت کا اقتضا ہے کہ اوّل تو ہر ایک قوم ایسی کوششیں عمل میں لائے - جن سے وہ ملک کے نظم و نسق میں اپنے فرائض، قابلیت سے انجام دینے کے قابل ہو جائے - دوسرے یہ کہ ہر ایک قوم ایسی روا دارانہ روش اختیار کرے - جس سے دوسری قومیں اپنے جائز حقوق حاصل

کریں - دوسروں کے حصّوں کو غصب نہ کرے اور نہ دوسروں
کے حقوق واپس دینے سے انکار کرے - یہ امر واضح ہوچکا ہے
کہ مادرِ ہند زندگی کی قربانیاں نہیں چاہتی - بلکہ مفاد اجتماعی کی
خاطر معمولی مفاد کی حقیر قربانیاں طلب کرتی ہے - یہ ہیں وہ
اصول جن پر تمام قوموں کے بے غرض محبان وطن متفق تھے
اس روح زمانہ نے جو اس زمانہ پر طاری تھی - ان لوگوں کو
متحد کر دیا اور قومیت کا امتیاز نا پید ہو گیا - اور ہر قوم کی جداگانہ
بہتری کو ہندوستان کی اجتماعی بہبودی تصور کیا گیا +

قوموں کے بین الملّلی تنازعات مفقود ہو گئے - رقابت اور حسد کا
جوش سرد ہو گیا - اس روح زمانہ نے ہندوستان کی مختلف قومیتوں پر
اتنا قابو پا لیا - کہ ہر ایک نے بغیر مطالبات کے اپنی خدمات دوسروں کے
سامنے پیش کر دیں - یہ اسی روح زمانہ کے تاثرات کا نتیجہ تھا - کہ بنگال
کی ۶۰ فیصدی مسلمان آبادی صرف ۴۰ فیصدی کی نیابت پر اور پنجاب کی
۵۶ فیصدی مسلمان آبادی محض ۵۰ فیصدی کی نیابت پر رضامند ہو
گئی - یعنی ہندوستان کے اُن دو صوبوں میں ایک جس میں مسلمانوں کی
کثرت تھی اپنی اکثریت سے فائدہ اُٹھانے سے دست بردار ہو گیا - اور ایک
نے تو اقلیت کے درجہ کو بھی منظور کر لیا +

یہ وہ روح زمانہ تھی جو موسسین قومیت کے دل و دماغ
میں بسی ہوئی تھی - یہ وہ روح زمانہ تھی - جو ایک ایسے ملک
کے لئے جو منازل ترقّی طے کر رہا ہو - خدا کی سب سے بڑی
رحمت ہے +

تجویز اصلاحاتِ حکومت کو کامیاب بنانے میں مشکلات

اصلاحاتِ حکومت کی پہلی قسط جس کا عرصہ سے انتظار تھا وصول ہوگئی - بدقسمتی سے اس وقت ملک میں قومی کام کرنے والوں کی رائے میں اختلاف ہوگیا۔ ہمارے بعض دوست جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں - جنہوں نے اپنے ملک کے لئے سب سے زیادہ سختیاں اُٹھائی ہیں تارک موالات ہو گئے اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے ملک کے مفاد کے لئے کام تو کیا مگر تعاون کے حامی تھے، اُن لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے پر مجبور ہو گئے، جنہوں نے اپنے ملک کے لئے کوئی زحمت گوارا نہ کی تھی - اور جو اُن اعلیٰ اصول سے نابلد تھے - جو انسان کو خود غرضی اور نفس پرستی سے بالا تر کر دیتے ہیں - ان قوم پرستوں کا کام جو کونسلوں میں داخل ہوئے بے انتہا مشکل ہوگیا - وہ نہ صرف اپنے اُن براداران ملت سے علیحدہ ہو گئے - جن کے متعلق اُن کے دلوں میں بے انتہا عزت اور احترام تھا - بلکہ اُن کو ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرنا پڑا - جو اُن اصول سے ناآشنا تھے، جنہوں نے ان وطن پرستوں کے دلوں میں ملکی خدمت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا - نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا - یعنی یہ دونوں جماعتیں علیحدہ علیحدہ روشِ عمل پر کام کرنے لگیں *

ایک جماعت تو اُن اصول پر کاربند ہوگئی - جن پر وہ اور اُن کے شرکائے کار اصلاحات کے حصول کی کوشش کرتے وقت متحد الخیال ہو چکے تھے - یعنی وہ ساعی ہوئے - کہ پس افتادہ قوموں

کو اس قدر ابھاریں۔ کہ وہ اقوام مرتقیہ کے پہلو بہ پہلو ہو جائیں۔ تاکہ تمام قومیں زیادہ اصلاحات کے مطالبہ میں برابر کے مفاد کی امید سے دل چسپی رکھ سکیں۔ اور مکمل سوراج کے حصول کی جد وجہد میں کوئی قوم پیچھے رہ کر دوسری قوموں کے لئے سد راہ نہ ہو جائے۔ اس لئے ہر وہ سعی عمل جو ملک کے نظم ونسق میں اُن قوموں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے کی گئی۔ جو اب تک اُس سے محروم تھیں، اگرچہ حقیقت میں تاسیس قومی کا ایک ضروری جزو تھی۔ اُن لوگوں کے لئے موجب غلط فہمی ہوگئی۔ جن کے دلوں میں نہ تو آزادی کی محبت ہے، اور نہ ہی جنہوں نے اُس کے حصول میں کوشش کی ہے۔ یہ اُن غلط فہمیوں کی داستان ہے۔ جو تعمیر قومیت کے راستے میں حائل ہوگئیں۔ اور جنہوں نے باہمی تعلقات کے اُس رابطہ کو صدمہ پہنچایا جو آزادی کے حصول کی جد وجہد میں قوموں کی متحدہ کوششوں کے لئے ضروری ہے۔ تاہم یہ وہ مسائل ہیں۔ جن کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے، تاکہ غلط فہمیاں پھر ترقی اور سوراج کے راستے میں حائل نہ ہو جائیں ؛

لیکن ایک بات کو اچھی طرح سے یاد کر لینا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے، کہ آپ کو اپنے جائز حقوق کے حصول کے لئے صرف اپنی ذاتی کوششوں پر بھروسہ کرنا ہوگا ؛

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

مسلمانانِ ہند کے تعلیمی مطامحِ نظر

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانانِ ہند تعلیمی دستور العمل کی پیروی میں اپنے سامنے کون سے صحیح مطامحِ نظر رکھیں؟ اور وہ کون سے طریقے ہو سکتے ہیں جن سے ان مطامحِ نظر کو واقعات کی صورت میں تبدیل کیا جا سکے؟

مسلمانانِ ہند کا مطالبہ صرف انصاف ہے

اس سے پیشتر کہ میں اس کے متعلّق کچھ کہوں، اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ مسلمانانِ ہند صرف ایسے سلوک کے متمنّی ہیں، جو انصاف پر مبنی ہو۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ اُن کو ملک کے نظم و نسق میں وہ حصّہ دیا جائے جس کے وہ ہر طرح سے اہل نہیں۔ وہ نہیں چاہتے۔ کہ اُن کے سپرد اُن مشکل اور نازک معاملات کی ذمہ واری کی جائے۔ اگر وہ انہیں بوجہ احسن سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اُن کی شکایات

اُن کی شکایت ہمیشہ سے یہی رہی ہے اور اب بھی یہی ہے کہ زمانہ گذشتہ اور موجودہ میں اُن کے لیئے اُن ملازمتوں کے دروازے بند رہے ہیں، جن کے کھولنے کے لیئے وہ کافی رسوخ نہیں رکھتے۔ اور بہت سی صورتوں میں اگر اُن کو کسی ایسی ملازمت میں داخل کر لیا جاتا ہے، اور اگرچہ وہ ان عہدوں کے

فرائض کو پوری قابلیت سے انجام دینے کے اہل بھی ہوتے ہیں تو اُن کو صرف اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں۔ سوائے علیحدگی کے کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

یہ شکایات کہاں تک واقعات پر مبنی ہیں آپ میں سے ہر شخص اپنے تجربہ، یا قابل اعتماد معلومات سے بتا سکتا ہے۔ لیکن اگر ان شکایات میں کچھ حقیقت ہے تو یہ اس ملک کے اجتماعی مفاد کے لئے ضروری ہے کہ ان کو رفع کیا جائے۔ یاد رکھیئے کہ کسی ملک کا نظم و نسق ترقی کے مدارج طے نہیں کر سکتا۔ جہاں ایک بڑی اور وسیع قوم سے، جس نے جہالت اور سستی پر عظمت اور ترقی حاصل کرنے کے لئے ایک پُرجوش کوشش سے فتح حاصل کر لی ہو، ہمسایہ قومیں یا حکام اس قسم کا سلوک روا رکھیں۔

پس یہ امر ان تمام لوگوں پر جن کا ان شکایات سے کسی قسم کا بھی تعلق ہے، واضح ہو جانا چاہیئے کہ مسلمان کسی قسم کی مراعات کے خواہشمند نہیں وہ ایسے عہدوں اور ملازمتوں کو حاصل کرنا نہیں چاہتے جن کے وہ اہل نہ ہوں۔ اور جن پر فائز ہونے کے لئے وہ دوسری قوموں کے لوگوں کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو محض اس لئے محروم نہ کیا جائے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور مسلمانوں کی قوم محسوس کرتی ہے کہ یہ ناگوار صورت حالات

عام ہے۔

نظم ونسق کے نظام میں ایسے شعبے بھی ہیں جن میں داخلہ، طریقہ انتخاب پر منحصر ہے۔ مسلمانان ہند چاہتے ہیں کہ ان شعبوں میں اُن کی نیابت اُن کے مفاد کے معیار پر ہونی چاہیئے۔ اور اُس معیار قابلیّت پر جس سے وہ دوسری قوموں کے ہمپایہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ چونکہ اُن کی قوم میں تعلیم یافتہ افراد تعداد میں اس قدر زیادہ نہیں جس قدر ہمسایہ قوموں کے ہیں، وہ بحالات موجودہ ان شعبوں سے دُور دُور ہی رکھے جاتے ہیں اُن کا دعوےٰ یہ ہے کہ ایسی خاص جماعتوں میں کام کرنے کے لئے صرف دس یا بارہ اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے ان کی قوم میں تعلیم یافتہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہونے کی ضرورت نہیں۔ بارہ آدمی ساٹھ آدمیوں میں سے اُسی خوبی سے منتخب کئے جا سکتے ہیں، جس طرح چھ سو آدمیوں میں سے اور اگر یہ خاص خاص جماعتیں، صرف قابلیّت ہی کی مقتضی ہیں، اور اگر ایک درجن اچھّے اور قابل آدمی ساٹھ پڑھے لکھّے آدمیوں میں سے مہیّا کئے جا سکتے ہیں تو اُن کو ان عہدوں سے محروم نہ رکھنا چاہیئے۔ تاہم یہ امور تفصیل طلب ہیں اور یہ کہدینا کافی ہے کہ مسلمانان ہندوستان کا ادعا یہ ہے کہ اعلےٰ تعلیم

کی مقدس بارگاہ میں وہ اس لیئے باریابی نہیں چاہتے کہ ان کی وجہ سے قابلیّت کا معیار کم ہو جائے، بلکہ اس لیئے کہ وہ اس معیار کو بلند کردیں۔ اس لیئے نہیں کہ انصاف پر ظلم کیا جائے بلکہ اس لیئے کہ مقصد انصاف کو مکمّل کردیا جائے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بسااوقات اس لیئے نظر انداز نہیں کیئے جاتے کہ اُن کے ہم چشم زیادہ قابل ہیں، بلکہ اس لیئے نظر انداز کردیئے جاتے ہیں کہ ان ہم چشموں کے حق میں ایک ایسی کثرت رائے ہے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ انتخابات ہیں۔ یہ شکایات بے بنیاد ہیں یا مبنی بر حقیقت، اس کا فیصلہ بھی آپ اپنے تجربہ اور قابلِ اعتماد معلومات کی مدد سے کرسکتے ہیں۔

بعض اوقات۔ نہایت خوش آہنگ تلبیسات کے ذریعے سے جن سے غیر مشتبہ انصاف اور بے نظیر دانائی جھلکتی ہے، یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ یونیورسٹی کی مقدّس بارگاہ میں فرقہ بندیوں کو جگہ نہیں دی جانی چاہیئے۔ مگر کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ یہی مقدّس جماعتیں عملۂ اساتذہ کو بالکل ہندوستانیوں پر محدود کرنے پر مصر ہیں۔ حتے کہ اُنہیں میں سے ایک میں۔ ایک مسلمان طالب علم، جو اپنی علمی تشنگی سنسکرت کے امرت سے بجھانا چاہتا تھا، صرف اس لیئے حصول مدعا میں ناکامیاب رہا کہ وہ مسلمان تھا۔ کیا موجودہ

عہد روا داری کو صدیوں قبل کے اس دور سے کوئی نسبت دی جا سکتی ہے، جبکہ البیرونی ایک مسلمان طالبعلم کی حیثیت سے، ادبیات سنسکرت اور علوم ہندِ قدیم کا امام بنا دیا گیا تھا - اور ایک البیرونی ہی کیا مسلمان طلباء گروہ در گروہ البیرونی ہی کی طرح استفادہ کرتے رہے ہیں -

مسلمانان ہند کے تعلیمی نصب العین کی طرف رجوع کرتے ہوئے، مجھے صرف پانچ اُمور پر توجہ دلانی ہے۔

۱ - توحید اسلامی تعلیم کا کوئی اصول کسی نصب العین کا خواہ وہ ہندوستان میں ہو یا کسی دوسرے ملک میں، وہ مخصوص احترام نہیں کرتا، جو وحدانیت کے لیے مخصوص ہے - اسلام ہندوستان میں توحید کی تبلیغ کے لئے آیا، اُس کو نمایاں کامیابی ہوئی - اس قدر کامیابی، کہ آج ہندؤں کے بہت سے فرقے خدا کی وحدانیّت کے قائل ہیں - اور اس بات کے معترف ہیں کہ ہندو مذہب کے اکثر مسالک میں پرستاراں توحید موجود ہیں - بھگت کبیر اور گورو نانک صاحب جیسے بزرگوں نے خدا کی وحدانیت کی شدّ و مد سے تبلیغ کی۔ یہاں تک کہ عالم مسیحی باوصف اپنے عقائد تثلیث کے، توحید کے اعتراف پر مائل نظر آتا ہے - اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ توحید کے اصول آج

پہلے سے بھی زیادہ محکم اور مضبوط حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیم کے دستور العمل میں اولین نصب العین، وحدانیت کی تبلیغ ہونا چاہیئے۔

۲۔ اخوت نوعی دوسرا اہم جزو وہ اثر ہے جس سے اسلام نے دنیا کو متأثر کیا ہے اور یہ اخوت نوعی کا اصول ہے۔ انسانی روح کا مصدر خدا ہے۔ ہر انسان پرتوِ "ذات" ہے۔گویا اس نسبت سے انسانوں میں ایک خاص باہمی ربط موجود ہے جس کو "اخوت" سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ اسلام میں کوئی شخص اچھوت نہیں۔

حضرات! آپ نے اسلام کے اس پیغام اخوتِ نوعی کو ہندوستان کے ملکی بھائیوں کے کانوں تک پہنچانے میں کوتاہی کی ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں اچھوتوں کی موجودگی ممکن ہے کہ ہندو مذہب کے لئے باعث ذلت نہ ہو مگر یقیناً اسلامی ہند کے لئے بڑی ذلت ہے، ہندو اس الزام سے بچنے کے لئے اپنے اُس مذہب کی آڑ لے سکتے ہیں، جو ان بندگان خدا کو اچھوت سمجھتا ہے، اور اس بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ اُن کو اُن کا مذہب اجازت نہیں دیتا کہ ان اچھوتوں کو اپنی آغوش اخوت میں جگہ دیں، مگر آپ اس قسم کی

کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے ۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ کوئی انسان اچھوت نہیں ہو سکتا ۔ کیا آپ نے خدا کی وحدانیت کی برکتیں، اور اپنے رسولؐ کا پیغام، ہندوستان کے ان لاکھوں بندگان خدا تک پہنچایا ہے؟ کیا آپ نے ان لاکھوں انسانوں کو اسی خیال میں زندگی گزار کر مرجانے کی اجازت نہیں دی کہ وہ اچھوت ہیں؟ آپ کو اور آپ کے آباؤ اجداد کو اس غفلت کا جوابدہ ہونا پڑے گا ۔ کہ آپ نے ان غریب انسانوں کو، اپنی اس برادری میں شامل ہونے کی دعوت نہیں دی جس کے وہ حقدار تھے ۔ پس توحید اور رسالت پر ایمان رکھنے کے بعد آپ کا دوسرا فرض یہ ہے کہ آپ اخوتِ نوعی کو استوار کریں جو اسلام کا دائرہ وسیع کرتی ہے ۔ اور اس کو اپنے تعلیمی دستورالعمل میں نمایاں جگہ دیں ۔

بنازم بہ بزمِ محبّت کہ آنجا گدائے بہ شاہے مقابل نشیند

۳ ۔ خدمت خلق

یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلامی تعلیم کا تیسرا نصب العین ایک آسان معاش کے ذرائع پر قدرت پانا نہیں ہے ۔ بلکہ بنی نوع انسان کی خدمت کے مواقع پیدا کرنا ہے ۔ اسلامی تعلیم کا نصب العین ایک مغرور حیثیت اختیار کرنا نہیں ہے، اور نہ دوسروں کو ماتحت بنانے کی غرض

سے ایک شان برتری پیدا کرنا ہے، بلکہ اُس کا نصب العین یہ ہے کہ اپنے بدقسمت بھائیوں کی خدمت کی جائے۔ تاکہ وہ اُس ہمدردی، اُس محبّت، اُس اخوۃ سے مستفید ہوسکیں جو اُن کے دلوں میں بھی ایسے ہی جذبات پیدا کرسکے۔ اس لیئے اسلامی تعلیم کا تیسرا نصب العین یہ ہے کہ اس کے پرستار اپنے دلوں میں اس عزمِ صمیم کو لیکر دنیا میں جائیں، کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرینگے۔ غریبوں کا سہارا ہو جائیں گے۔ بیماروں کے لئے درمان ہونگے۔ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑینگے۔ گرے ہوؤں کو سنبھالیں گے اور بےکسوں کو پناہ دینگے۔

۴۔ **مشرقیت** چوتھا نصب العین، مشرقی تہذیب کا نشو و نما ہونا چاہیئے۔ یہ جمہوریت کا اصول ہے۔ شخصی تقدیس کا اصول ہے۔ اور ہر فرد کو ہیئت اجتماعی کا ایک جزو سمجھنے کا اصول ہے۔ ممکن ہے کہ آپ ایک شہنشاہ کے سامنے بحیثیت ایک شہنشاہ کے نہ جھکیں، مگر اس ہیئت بشری کے ناظم کی حیثیت سے جس کے آپ ایک رکن ہیں وہ آپ کی متابعت کا استحقاق رکھتا ہے، بشرطیکہ یہ متابعت آپ کے دوسرے مقاصد کے منافی نہ ہو۔ مشرقی تہذیب میں ہند قدیم کی تہذیب سے ہمدردی رکھنا، اس کی تہ کو پہنچنا

اور اُس کی قدر کرنا شامل ہے ۔ یہ آپ کے لئے بھی ایک ایسی ہی قیمتی وراثت ہے جیسی کہ مغل تہذیب زمانۂ حال کے ہندوستان کے لئے ہے ۔

۵ ۔ مادرِ وطن کی خدمت

پانچواں نصب العین مادرِ وطن کی خدمت ہے ۔ ہندوستان آپ کا ہے اور آپ ہندوستان کے ہیں ۔ ہندوستان آپ کے بغیر عظمت حاصل نہیں کرسکتا۔ اور آپ ایک پُرعظمت ہندوستان کے بغیر کوئی اہمیّت حاصل نہیں کر سکتے ۔ اس ہندوستانی حب الوطنی کے ساتھ ساتھ ۔ جیسے آپ کو دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ جس پر آپ کو ایمان رکھنا چاہیئے ، اور جیسے آپ کے بچّوں کو قیمتی وراثت سمجھنا چاہیئے ، کیونکہ وہ اُسی ملک کی فضا میں سانس لیتے ہیں ، اسی ملک کا دودھ پیتے ہیں ، اور اسی کی پیداوار سے پرورش پاتے ہیں ۔ آپ کو یاد رکھنا ہو گا کہ آپ دنیا بھر کے عالم اسلامی کے ایک جُزو ہیں۔ وہ پیغام جو آپ دنیا کو دینے والے ہیں۔ ایک ایسا پیغام ہے جسے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر پہنچنا چاہیئے۔ اور اس پیغام کے مبلّغین اور معتقدین ، خواہ وہ یورپ میں ہوں یا امریکہ میں ، یا افریقہ میں ، آپ کے بھائی ہیں۔

یاد رکھئے کہ جیسے بعض کا خیال ہے، یہ دو عملی
نہیں ہے بلکہ باعتبار صورتِ حالات
کے ہندوستان کی عظمت کا انحصار آپ کی ترقی
اور اُس تعاون پر ہے، جو آپ اپنی ہمسایہ قوموں
سے کرینگے ۔ آپ کی عظمت ہندوستان کی عظمت
ہے، جیساکہ ہندوستان کے ایک نہایت ہی ممتاز فرزند
نے کہا ہے :-

"ایک پُرعظمت اور خود مختار اسلامی حکومت کے
لئے ایک پُرعظمت اور آزاد ہندوستان کی ضرورت ہے ۔
اور ہندوستان کی عظمت و آزادی کے لئے ایک
پُرعظمت اور خود مختار اسلامی حکومت کی ضرورت ہے"

یہ بتانا مشکل ہے کہ ان میں مقدم کون ہوگا ؟
ممکن ہے کہ اپنے اپنے موقع پر دونوں معاصر ہوں ۔

حصولِ مقصد کے ذرائع اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے،
کہ یہ تعلیمی نظریات کس طرح عملی صورت اختیار
کرسکتے ہیں ؟ آپ نے اس مضمون کی، بہت سی
شاندار تجویزیں سُنی ہونگی ۔ بعض تو گاؤں کی
مسجد سے شروع ہوکر، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل
کانفرنس پر ختم ہوتی ہیں، اور بعض اس نقطے سے
شروع ہوکر، اُس ابتدا پر پہنچتی ہیں ۔ مگر یہ
سب یا تو اُن جوشیلے نوجوانوں کے خیالی تصورات

ہیں جنہوں نے تجربہ سے کچھ نہیں سیکھا، یا گوشہ نشین فلسفیوں کے تخیلات کے نتائج ہیں۔ اُس شخص کی حیثیت سے جو ایک مقامی اسلامی درسگاہ کے لئے بازاروں میں پیسہ پیسہ جمع کرتا پھرا ہو اور جس پر نوجوانی کے جوش کا زمانہ گذر چکا ہو، میں اِس مضمون کے متعلق کوئی غلط فہمیاں نہیں رکھتا۔ ہم وسعت نہیں رکھتے کہ ایک ایسی تنخواہ دار جماعت کے قیام کا انتظام کرسکیں، جو اس نظام کی انتہائی منزل کو ابتدائی منزل سے وابستہ کرنے کا کام انجام دے۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اعزازی کام خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے، دیانت میں کمزور اور نگرانی کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کرنا چاہیئے، اور وہ کونسی جماعت ہے جو اس کام کو انجام دیگی۔ میرے خیال میں ان دونوں طریقہ ہائے کار کا مدغم کردینا ناگزیر ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ، اس بوجھ کو اُٹھانے کے لئے، زیادہ شرکائے کار پیدا ہوتے جائینگے۔ ہمیں اس تحریک کو جاری رکھنے کی غرض سے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہوگی جو اپنا تمام وقت اسی کام میں صرف کردیں۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف

وینھون عن المنکر ؕ

یہ جماعت ہماری پشتیبان ہوگی ۔ لیکن ایک بڑی تعداد ہمارے اُن نوجوانوں کی ہوگی ۔ جو اس بات کا معاہدہ کرینگے کہ عملی زندگی کے پہلے دو تین سال اس کام میں صرف کر دیں ۔ اُن لوگوں کی کثیر تعداد اس کے علاوہ ہوگی ، جو مقامی طور پر کام کرینگے ۔

مستقبل طلباء کے اختیار میں ہے ۔

حضرات ! میں آج کے طلباء پر اعتماد رکھتا ہوں ، یہی کل رہنمائے قوم بنیں گے ۔ میں کسی بیجا غرور سے متأثر ہوکر یہ دعوےٰ نہیں کرتا کہ زمانۂ ماضی کے طلباء جو آج اس تحریک میں عملی حصّہ لے رہے ہیں ۔ اس قدر قومیّت ناشناس اور مغرب پرست نہیں ہیں ، جس قدر اُن کو بعض تنگ خیال نقاد سمجھتے ہیں ۔ وہ اس جوش سے معمور ہیں جو انسان کے لئے بہترین نعمائے یزدانی میں سے ہے ۔ اُن کے دلوں میں اعلیٰ ترین مقاصد کے شعلے بھڑک رہے ہیں ۔ وہ خدمت کرنے اور تکلیف اُٹھانے کے لئے تیار ہیں اور اُن کی اس آمادگی کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے ۔ زمانۂ موجودہ کے طلباء کو یہ باتیں ، ہم لوگوں سے بڑھ کر میسّر ہیں ۔

نظارۂ مستقبل اُمید افزا ہے ۔

اسلامی تحریک آج ،

ماضی سے زیادہ قوی الوسائل، زیادہ مکمل، زیادہ مضبوط، زیادہ عالی ہے۔ شاید یہ زمانۂ ماضی کی طرح مرتب و منضبط نہ ہو، لیکن اُس میں ایک مقناطیسیت ہے ایک جوش ہے ایک ذوق ہے اور خلوص خدمت ہے۔ کیا یہ مقدس قوت خاک میں مل جائیگی، یا یہ مختلف موجیں ایک بحرِ رواں میں جمع ہو جائینگی۔ مجھے جس قدر تجربہ آئندہ نسلوں کے متعلق ہے، میں بہتری کی امید رکھتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک دن ہندوستان اس سے زیادہ مکمل، عالی اور پُراطمینان زندگی بسر کریگا۔ اسلامی ہندوستان، ہندوستان کا ایک جزو ہے جو ہندوستان کی عظمت و شان کے حصول میں، برابر کا حصہ دار ہے۔ اور جیسے ہندوستان کے لئے عظمت حاصل کرنے کے متعلق خدمات انجام دینے میں بہترین خوشی حاصل ہے۔ میرے اس خواب کو سچا کر دکھانا، اُن لوگوں پر منحصر ہے جن کے ہاتھوں میں آج طلباء کی قسمتیں ہیں، اور اُن طلباء پر منحصر ہے جن کے ہاتھوں میں مستقبل ہند کی عنانِ تقدیر ہے۔ اگر میرا دماغ عالم اسلامی کے موجودہ خیالات کی صحیح ترجمانی کر سکتا ہے جیساکہ اسے کرنا چاہیئے تو مجھے کوئی وجہ اندیشہ نظر نہیں آتی۔ میں مسلمانانِ ہند

کو پوری طاقت اور زندگی میں دیکھتا ہوں۔ میں مسلمانوں
کے مقاصد کو ترقّی پذیر محسوس کرتا ہوں، اور میں جانتا
ہوں کہ مسلمان نوجوان اپنی ذات پر اعتماد رکھتے
ہیں، اُمیدوں سے معمور ہیں، اور اپنے ملک، اور اپنی قوم
کی خدمت کے لئے تیار ہیں۔ مگر اُنہیں اپنے آپ کو،
قابو میں رکھنا پڑے گا۔ وہ ابھی ابھی نیند سے بیدار
ہوئے ہیں۔ اُن کا حصّۂ کار زمانہ گزشتہ میں دوسرے
برادران ملک نے انجام دیا ہے۔ اور اب اگر وہ مسلمانوں
کو اپنے ملک کی خدمت میں شریک کرنے پر آمادہ نظر
نہیں آتے تو مسلمانوں کو اس سے نہ تو بد دل ہونا
چاہیئے نہ برہم۔ کیونکہ استقلال و ہمّت سے جدوجہد
اور صمیمیّت سے وہ بہت جلد اپنے جائز حق کو حاصل
کرلینگے اور وہ وقت کچھ دور نہیں جب وہ اس حق کو حاصل
کرکے اپنے برادران ملک کے دست بدست، شاہراہ
ترقّی پر گام زن ہونگے یہانتک کہ منزلِ مقصود پر جا
پہنچیں اور برطانوی سلطنت اور آزاد و خود مختار
خلافت کی دوستی کے ریشمیں رشتوں سے مربوط ہونے
کے باوصف، مادرِ ہند کو آزاد دیکھیں ☆